والٹیئر: تاریخِ ہند کا نیا تناظر

ڈاکٹر حمیرا اشفاق*

Abstract:

The present study deals with the 18th century colonial outlook towards Indian sub-Continent, with special reference to Voltaire's writings, particularly his unknown work called Fragments Sur. I'Inde-Fragments of India. Beginning with historical background of Indian trade, it gives the first troubles of India and enmities between the French and English East India companies. Analyzing the Hidu and Brahmans, an attempt is made to unfold the warriors of India and regent revolutions, with a fair description of the western coast. With the defeat of French, the question is raised whether England will dominate India, it is concluded that every thing changes on this earth.

برصغیر پاک و ہند پر مغربی قوتوں کی یلغار کو سامراجی تصورات سے الگ کر کے نہیں دیکھا جا سکتا۔ یہ نظریہ اگرچہ اب خاصا پرانا ہو گیا ہے کہ سامراجیت، سرمایہ داری کی اعلیٰ ترین شکل ہے، پھر بھی اسے یکسر مسترد کرنا مشکل ہے۔ ہمارے عہد میں یہ نظریہ عالمگیریت کہلاتا ہے۔ ادب و فن کی دنیا میں اسے مابعد جدیدیت کا نام دیا گیا ہے یعنی ادب کا سرمایہ دارانہ نظریہ۔ یہیں سے سامراجیت کے سوتے پھوٹتے ہیں۔

* استاد، شعبہ اُردو، انٹرنیشنل اسلامک یونیورسٹی، اسلام آباد

اٹھارہویں صدی، برطانوی،فرانسیسی اور ولندیزی قوتوں کی ہندوستان پر قبضوں کی صدی ہے۔جس میں برطانیہ بالآخر فاتح بن کر ابھرا۔اس تناظر میں دریدواور کانٹ سے لے کر والٹیر ، مارکس اور رالف فوکس اِتک ہندوستان کے ہمدردمغربی دانشوروں کی انسان دوست دانش قابلِ قدر ہے۔ان میں والٹیر کا مقام ومرتبہ سب سے بلند ہے۔کارل مارکس کے ہندوستانی خاکے کو چھوڑ کر شائد ہی کوئی دوسری کتاب اس بدقسمت خطے کا ذکر اتنی درد مندی سے کرتی ہو جتنی والٹیر کی کتاب ''اوراقِ ہند'' کرتی ہے۔

اپنے دور کا یہ اہم ادیب دوبار قید و بند اور ایک بار جلاوطنی کی اذیت سے گزرا۔'کاندید' میں وہ اپنے عہد کی دو متحارب قوتوں کو بیانیہ انداز میں بیان کرتا ہے۔

اٹھارہویں صدی جدیدیت اور قدامت پسندی کے ٹکراؤ کی صدی ہے۔

> ''قدامت پسندوں کو اصرار تھا کہ ادب میں اصل چیز ہیئت ہے جس کے اصول وقواعد ہمیشہ کے لیے مقرر کر دیئے گئے ہیں۔وہ عالمگیر ہیں اور ان میں تبدیلی کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔اس کے برخلاف جدت پسند کہتے تھے کہ ہر زمانے کے احوال جداگانہ ہوا کرتے ہیں۔ ہر عہد میں نئے تصورات اور نئی تکنیک جنم لیتی ہے جس کا اس زمانے کے ادب پر اثر انداز ہونا بھی لازمی ہے۔اس لیے ادب میں کوئی اصول اور قاعدے ہمیشہ کے لیے نہیں وضع کیے جا سکتے۔ ہر زمانے کو یہ حق حاصل ہے کہ اپنی ضروریات اور احوال کے مدِنظر ان پر نظر ثانی کرتا رہے۔''(۱)

اس تناظر میں والتیئر کی زندگی اور اس کی تصانیف ان قدیم اور جدید دو دنیاؤں کے درمیان ایک اہم کڑی ہے۔نطشے نے کہا تھا کہ ''ہنستے ہوئے شیر ضرور آئیں گے'' تو والتیئر آیا اور ہنسی ہنسی میں اس نے بہت سی چیزیں غارت کر کے رکھ دیں۔(۲) یہاں غارت گری سے مراد پرانی دنیا اور اس کے فرسودہ نظام کی غارت گری تھی جس نے انقلابِ فرانس کے عمل کو تیز کیا۔والٹیر ،انقلابِ فرانس کا نقیب بن کر ابھرا اور اس نے صدیوں کے جمود کو توڑ کر رکھ دیا،اور مذہب کے نام پر انسانی غلامی اور جکڑ بندیوں کے خلاف آواز اٹھائی۔ چرچ کے غلبے کے باوجود اس نے دکھی انسانیت اور دم توڑتی زندگیوں کا ساتھ دیا،اس کی عملی زندگی میں بھی انسان دوستی کی کئی مثالیں ملتی ہیں۔

> ''انقلابِ عظیم کے نمودار ہونے سے پہلے یہ ضروری تھا کہ پرانے رسوم و رواج اور آداب کمزور کر دیئے جائیں۔احساس اور فکر کو جلا دی جائے اور ان کا احیا کیا جائے مختصر یہ کہ ذہنِ انسانی کو نئے تجربوں اور تغیرات کے لیے تیار کیا جائے۔ یہ نہ سمجھا جائے کہ والتیئر اور روسوؔ انقلابِ فرانس کے اسباب تھے۔غالباً وہ اس انقلاب ہی کی طرح ان عوامل کا نتیجہ تھے جو فرانس کی سیاسی اور معاشرتی زندگی کی سطح کے نیچے موجزن تھے۔انقلاب کے آتش فشاں سے جو گرمی اور شعلے نکلے تھے' یہ لوگ اس کی روشنی اور تابنا کی تھے۔''(۳)

والتیئر نے جبر واستبداد کا شکار فرانسیسی قوم کو خود اپنے پیروں پر کھڑا ہونے اور نظامِ کہنہ کو اُلٹ دینے کے راستے پر ڈال دیا۔ ان کتابوں میں ہندوستان پر فرانس کے مظالم کے درجنوں حوالے ملتے ہیں۔ ''اس نے اپنے ڈراموں کے کئی پلاٹ مشرقی اساطیر سے اخذ کیے' اپنے معروف مقالے' جو مختلف قوموں کے رسوم و رواج سے عبارت ہے' کے کئی ابواب میں اس نے ہندوستان کا ذکر کیا۔ اپنی ایک اور تصنیف 'لوئی چہاردہم کے عہد کی تاریخ' جو دراصل سترھویں صدی کی تاریخِ عالم ہے' میں' وہ یورپ اور ایشیا کو بغل گیر کر دیتا ہے۔'' (۴)

ڈاکٹر یوسف حسین خان نے والتیئر کے اہم کارناموں پر روشنی ڈالتے ہوئے' اس کی ایک انتہائی اہم لیکن کسی حد تک گمنام تصنیف Fragment Sur , Inde کو سرے سے نظر انداز کیا ہے۔ اس کتاب کا انگریزی ترجمہ Frangments of India (اوراقِ ہند) کے نام سے' ۱۹۳۷ء میں لاہور سے چھپا تھا۔ اس کی مترجم فریڈا بیدی تھیں۔ یہ ایک حیرت انگیز بات ہے کہ اُردو میں فرانسیسی ادب خصوصاً والتیئر کے کام سے دلچسپی رکھنے والوں' جن میں سید سجاد ظہیر بھی شامل تھے' نے کبھی اس کتاب یا اس کے انگریزی ترجمے کو درخورِ اعتنا نہیں سمجھا۔

اپنی کتاب کا آغاز کرتے ہوئے والتیئر لکھتا ہے :

> ''جونہی مغرب اور شمال کے وحشیوں کو' ہندوستان کے بارے میں تھوڑا بہت معلوم ہوا' وہ اس پر مر مٹے۔ ایسا ہونا بھی تھا کیونکہ ان (یورپی) وحشیوں نے متمدن اور جفاکش بنتے ہی اپنے لیے نئی ضروریات پیدا کر لی تھیں۔ (۵)

والتیئر کے ناولوں' ڈراموں اور تاریخ کی کتابوں میں ہندوستان کا ذکر کثرت سے ملتا ہے۔ پیرس یا فرانس کے کسی دور افتادہ مقام پر بیٹھے ہوئے والتیئر کے پاس ہندوستان کے بارے میں اتنا علم کہاں سے آیا تھا۔

> ''ہندوستان کے بارے میں اس کے ماخذ کیا تھے؟ سب سے پہلے ہم ''ایز ور ویدام'' کا ذکر سنتے ہیں' یہ یجروید کا مبینہ فرانسیسی ترجمہ ہے اور جو ڈاکٹر ونٹرنیٹس کے بقول ایک جھوٹ ہے' ایک مقدس دھوکہ! مشنری روبرٹو ڈی 'نوبیلی' کو اس کا مترجم سمجھا جاتا ہے۔ والتیئر کو یہ ترجمہ پانڈیچری سے سرکاری طور پر واپس جاتے ہوئے ملا۔ زندگی بھر وہ یہی سمجھتا رہا کہ یہ کتاب ویدوں پر ایک تبصرہ ہے جسے ایک قابلِ احترام صد سالہ برہمن نے فرانسیسی میں ترجمہ کیا ہے۔ (۶)

اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ ہندوستان کے بارے میں اس کا مبلغِ علم محض ایک مذہبی کتاب کے ناقص ترجمے یا ایک آدھ اور ماخذ تک محدود تھا۔ پھر وہ کیسے ''اوراقِ ہند' کے پائے کی کتاب لکھ سکا۔ اس کتاب کو پڑھتے ہوئے والتیئر ایک وسیع المطالعہ مورخ دکھائی دیتا ہے۔ اس کے تاریخی مشاہدات بے بنیاد نہیں لگتے۔

ہندوستان کے بارے میں اس کی بصیرت حیران کن ہے۔ باب دہم میں وہ لکھتا ہے :

> ''(ہندوستان کا) نقشہ نہ ہونے کی صورت میں تصوّر کیا جا سکتا ہے کہ جزیرہ نما ہند کا تمام ساحلی علاقہ یورپی تاجروں کی آبادیوں سے بھرا پڑا ہے جو یا تو وہاں کے باشندوں کی رعایت سے قائم ہوئیں یا زورِ بازو سے۔''(۷)

یا پھر کالی کٹ کا ذکر کرتے ہوئے، وہ اپنے مختصر ترین اور انتہائی بلیغ الفاظ میں کہتا ہے۔

> ''انسانی حرص تاجروں کو اس لیے ہندوستان نہیں بھیجتی کہ وہ شیریں ہوا سونگھیں اور پھول جمع کرتے پھریں۔''(۸)

''اوراقِ ہند'' لکھنے کے لیے والتیئر کا دوسرا ماخذ بنگال کا اس دور کا گورنر ہولویل تھا۔ یہ وہی ہولویل ۲؎ ہے جس کا نام کلکتہ کے 'بلیک ہول' ۳؎ سانحہ سے جڑا ہوا ہے۔ یہ ماخذ نسبتاً ہم عصر اور کہیں زیادہ لغو ہے۔ جون زیفانیا ہولویل کی شہرت بنگال کی عارضی گورنری، زمینداری عدالت کی اصلاح اور 1756 میں کونسل کے ایک رکن کے طور پر سراج الدولہ کے خلاف اس کے کلکتہ کے دفاع سے وابستہ ہے۔ بہت مبہم طریقے سے یہ بھی بتایا گیا ہے کہ وہ پہلا یورپی تھا جس نے ہندو عہدِ عتیق کا مطالعہ کیا اور جس نے ہندوستانی سیاست اور اساطیر پر اپنا کام شائع کیا۔۔۔۔۔ یہی ہولویل ہندوستان کے بارے میں والتیئر کے بنیادی ماخذ میں سے ایک تھا'(۹) اپنے اس ماخذ کے بارے میں والتیئر خود لکھتا ہے :

> ''سچائی جاننے کی مخلصانہ خواہش کے زیر اثر ہم نے یہ سوچا کہ مسٹر ہولویل سے استفادہ کیا جائے۔ اس نے بنگال میں زندگی کا بہت سا وقت گزارا ہے اور نہ صرف وہاں کی زبان جانتا ہے بلکہ قدیم برہمنوں کی زبان سے بھی واقف ہے۔(۱۰)

اسی کتاب میں ایک اور مقام پر وہ اپنے اس اہم ماخذ ہولویل کا قدرے تفصیل سے ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ وہ واحد یورپین تھا جس نے برہمنوں کے اعتقادات کو برہمنوں کے اعتقادات ہی کی ذیل میں سمجھا اور دیکھا۔

''یہی وہ ہولویل ہے جس نے نہ صرف آج کل کے برہمنوں کی زبان سیکھی۔ یہی وہ شخص ہے جس نے بعد میں نہایت اہم یادداشتیں تحریر کیں۔ اور جس نے مقدس زبان (سنسکرت) میں لکھی جانے والی قدیم کتابوں سے شاندار تحریریں ترجمہ کیں۔ ان میں سے بعض فونیقی (Phoenician) مذہبی کتب، مصر کی Mercury اور چین کے پہلے قانون سازوں کی کتابوں سے بھی زیادہ قدیم ہیں۔ بنارس کے عالم برہمن ان کتابوں کی قدامت پانچ ہزار سال بتاتے ہیں۔

''ہم شکر گزار ہیں اس شخص کے جس نے طویل سفر محض علم کے حصول کی خاطر کیے۔ اس نے ہم پر وہ حقائق منکشف کیے جو کئی صدیوں سے پوشیدہ تھے' اس کی خدمات فیثا غورث اور تھین (اٹلی) کے اپالونیئس Appolonius سے زیادہ اہم ہیں۔ ہم ان تمام حضرات سے جو علم کے حصول کی خواہش رکھتے ہیں' جیسا کہ ہول ویل رکھتا تھا' یہ درخواست کرتے ہیں کہ وہ ان قدیم داستانوں اور تمثیلات کا مطالعہ کریں جو فارس' بابل' مصر اور یونان میں سچی حکایتوں کے طور پر مقبول ہوئیں اور چھوٹی اور غریب اقوام سے لے کر بڑی اور خوشحال اقوام تک سبھی میں پسند کی گئیں۔ ایک دانا آدمی کے لیے یہ موضوعات زیادہ مناسب ہیں بہ نسبت ململ اور رنگے ہوئے کپڑوں کی خاطر لڑنے والے لوگوں کے قصوں کے' جنہیں ہم نہ چاہتے ہوئے بھی آگے بیان کرنے پر مجبور ہیں۔ اب ہم ہندوستان کے انقلاب کی جانب آتے ہیں۔ بنگال کے اس صوبیدار کا نام سراج الدولہ تھا اور نسلاً وہ ایک تاتاری تھا' کہا جاتا ہے کہ اورنگزیب کی طرح وہ بھی تمام ہندوستان پر قبضہ کرنا چاہتا تھا۔ اس میں شک نہیں کہ وہ جاہ طلب تھا' کیونکہ ایسا کرنے کا اسے موقع ملا ہوا تھا۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ وہ سنگ دل اور کمزور دماغ والے بادشاہ سے بھی ناخوش تھا کیونکہ وہ سُست اور بزدل بھی تھا اور وہ ان غیر ملکی تاجروں کو بھی ناپسند کرتا تھا جو ہندوستان کے مسائل سے فائدہ اٹھانے اور ان میں اضافہ کرنے آئے تھے۔ ایسا نہیں کہ ہم مسٹر ہول ویل کی ہر بات پر اندھا اعتماد کرتے ہیں۔ ہمیں کسی کے بھی اوپر ایسا اعتماد نہیں کرنا چاہیے لیکن اس نے ہمیں یہ تو بتایا کہ گنگا کے باسیوں نے پانچ ہزار سال قبل ایک اسطور لکھی تھی۔'' (۱۱)

اپنی اس مختصر سی کتاب میں جو موضوع کے اعتبار سے بڑے کینوس کی کتاب ہے والٹیئر تاریخ اور ادب کا ایک خوبصورت امتزاج ہے۔ دراصل یہ یورپ کی دو نوآبادیاتی کمپنیوں کی خون آشامیوں کا بیان ہے جسے خود یورپ کے ایک باضمیر شخص نے بے نقاب کرنے کی کوشش کی ہے۔ فرانسیسی ایسٹ انڈیا کمپنی، برطانوی کمپنی کے مقابلے میں زوال کا شکار تھی۔ لیکن مجموعی طور پر وہ یورپ کے ہاتھوں ہندوستان کے عوام کی لوٹ کھسوٹ اس بدقسمت ملک کے حکمرانوں کی عیاشیوں اور نادر شاہ ایرانی اور احمد شاہ درانی کی لائی ہوئی بربادی کو بھی تفصیل سے بیان کرتی ہے۔ یہ اس خطے کی بدبختیوں کی وہ داستان ہے جسے اس سے قبل اتنے بے لاگ انداز میں کبھی نہیں بیان کیا گیا۔ والٹیئر فرانس بلکہ یورپ کا ضمیر تھا اور صرف وہی لکھ سکتا تھا کہ

> ''ہندوستان میں بسنے والی بیس اقوام' جن کے وجود کے بارے میں اس سے پہلے کسی کو کوئی علم نہ تھا' کے خلاف جنگ چھیڑ دی گئی۔ پرتگیزی قوم قتلِ عام کرنے کے بعد یورپ کو محض کالی مرچ اور کپڑا ہی دے سکی۔'' (۱۲)

اس باب میں وہ اس اجمال کی تفصیل یوں بیان کرتا ہے :

''یہ تقریباً سبھی وسیع علاقے اور عملداریاں' ان کو چلانے پر اٹھنے والے بے تحاشہ مصارف' انہیں اپنے قبضے میں رکھنے کے لیےلڑی جانے والی تمام جنگیں' یہ سب نتیجہ تھیں اس آرام و آسائش کی محبت کا' جو شہروں میں بسنے والے لوگوں میں موجود ہوتی ہے' اس لالچ کا جو تاجروں کے دلوں میں ہوتا ہے جو کہ بادشاہوں کی ہوس ملک گیری سے بڑھ کر ہوتا ہے۔ یہ سب اس لیے ہوتا ہے تا کہ پیرس' لندن اور دیگر بڑے شہروں کے باسیوں کی میزوں پر اتنے مسالے مہیا کیے جاسکیں جتنے کبھی شہزادے کی میز پر بھی میسر نہ تھے' یہ سب ہوتا ہے تا کہ عام لوگوں کی بیویوں پر اتنے ہیرے لادے جاسکیں جتنے ملکہ اپنی تاجپوشی کے وقت پہنتی تھی۔

یہ سب ہوتا ہے تا کہ نتھنوں کو اس کراہت آمیز پاؤڈر (نسوار) سے آلودہ کیا جا سکے اور بلانوشی ممکن ہو سکے کیونکہ انہیں ایسے بیکار مشروبات (شراب) استعمال کرنے سے رغبت ہوگئی ہے جن سے ہمارے آباؤاجداد نا آشنا تھے اور جس کے لیے زبردست تجارت کی گئی۔ اس سے یورپ کی تین چوتھائی آبادی کو نقصان پہنچا اور اسی تجارت کو قائم رکھنے کے لیے (اس وقت کے) طاقتور ملک آپس میں جنگ کرتے رہے' وہ جنگ جس میں ہمارے علاقے میں چلایا جانے والا توپ کا پہلا گولہ امریکہ اور ایشیا کے توپ خانوں کو متحرک کر دیتا ہے۔ ہم ہمیشہ ٹیکسوں کا گلہ کرتے ہیں' اکثر بہت بجا طور پر' لیکن ہم نے کبھی اس پر غور نہیں کیا کہ سب سے بڑا اور ظالمانہ ٹیکس وہ ہے جو ہم نفسانی ذوق کی نت نئی شکلوں میں خود پر لاگو کرتے ہیں' اور پھر یہ نفیس شوق ہماری ضرورت بن جاتے ہیں اور ایک تباہ کن عیاشی ثابت ہوتے ہیں اگر چہ ہم انہیں عیاشی کا نام نہیں دیتے۔'' (۱۳)

والتیئر اس پر بس نہیں کرتا بلکہ اپنی تلخی کو مزید بڑھاتے ہوئے لکھتا ہے کہ ہندوستان کے امن کو تباہ و برباد کرنے میں ان سامراجی طاقتوں کا ہاتھ ہے جنھوں نے ان سے محبت اور امن کا دامن چھڑوا کر انہیں اپنا زرخرید ایجنٹ بنا دیا۔ وہ ہندوستانیوں کو علوم وفنون کا موجد قرار دیتے ہوئے لکھتا ہے:

''برہمنوں کے وارث' کئی فنون کے موجد' امن سے محبت کرنے والے اور (جھگڑوں کا فیصلہ کرانے والے) ہمارے ایجنٹ اور تنخواہ دار جوڑ توڑ کرنے والے بن گئے ہیں۔ ہم نے ان کے ملک کو اجاڑ کر رکھ دیا ہے اور اس کی مٹی میں اپنے خون کی کھاد ملا دی ہے۔ ہم نے انہیں بتا دیا ہے کہ دلیری اور خباثت میں ہم ان سے بہت آگے ہیں اور یہ کہ دانائی میں ہم ان سے کتنا پیچھے ہیں۔ ہماری یورپی اقوام نے اسی وطن میں خود کو ہلاک کر ڈالا ہے۔ یہ وطن جہاں ہم صرف امیر بننے کے لیے آئے تھے اور جہاں ابتدائی یونانی محض علم کے حصول کی خاطر آیا کرتے تھے۔'' (۱۴)

یہ بات دلچسپی کا موجب ہے کہ وہ ہندوستان کے مغربی ساحل مالابار کے فاتح پٹھانوں کے تاریخی کردار کو

بھی نظر انداز نہیں کرتا۔اپنے ایک باب اٹھارہویں صدی کے ''ہندوستان میں قدیم عرب'' کے زیرِ عنوان وہ پٹھان قوم کا ذکر کرتا جس نے اسلام کی آمد کے دوسو سال بعد مالا بار کے ساحلوں پر اپنی فتح کا پرچم بلند کیا تھا اور پھر گوا سے کیپ کومورین تک کے وسیع وعریض علاقے کو اپنی قلم رو میں شامل کرلیا تھا۔حیرت کی بات ہے کہ ان پٹھانوں کا ہندوستان کی دوسری تواریخ میں ذکر نہیں ملتا۔وہ بیہار کے شہر پٹنہ کو لفظ پٹھان سے جوڑتے ہوئے ان کے فاتحانہ عزائم کا ذکر کرتا ہے۔

''ہندوستان میں قدیم عرب'' کے ذیلی عنوان کے تحت وہ پٹھانوں کا ذکر کرتے ہوئے بتاتا ہے کہ ہندوستان میں مسلمانوں کی ایک اور قوم بھی آباد ہے جو وروداِسلام کے دوسو سال بعد مالا بار کے ساحل پر پہنچی اور گوا سے کیپ کومورین تک کا علاقہ فتح کرلیا۔انہیں پٹھان قرار دیتے ہوئے وہ لکھتا ہے :

> ''ہمارے یورپی تاجر جو کہ بہت لاعلم لوگ تھے سب مسلمانوں کو مور کہتے تھے۔یہ غلط فہمی اس لیے پیدا ہوئی کہ جن مسلمانوں کو ہم نے پہلے پہل جانا وہ مراکش سے آئے تھے اور سپین کو فتح کرنا چاہتے تھے جو کہ فرانس کے جنوبی صوبوں کے کچھ حصوں اور اٹلی کے بعض ضلعوں پر مشتمل تھا۔چین سے لے کر روم تک' فاتحین سے مفتوحین تک' لٹیروں سے لے کر لوٹے جانے والوں تک' سبھی ایک دوسرے میں گھل مل گئے ہیں۔
>
> ہم اصل ہندوستانیوں کو ''جینٹوس'' کے نام سے جانتے ہیں جو کہ پرانے لفظ جینٹل Gentiles سے مشتق ہے۔یہ لفظ ابتدائی طور پر مسیحی ان لوگوں کے لیے استعمال کرتے تھے جو ان کے پوشیدہ مذہب سے باہر تھے۔پس سبھی نام اور سبھی چیزیں ہمیشہ بدلی ہیں۔ فاتحین کے رسوم ورواج بھی اسی طرح بدلے ہیں۔ہندوستانی موسم نے بھی ان سب کو کمزور کردیا۔(۱۵)

والتیئر صرف یورپی چیرہ دستیوں کی ہی بات نہیں کرتا بلکہ مسلمان حملہ آوروں کی لائی ہوئی بربادی کو بھی زیرِ بحث لاتا ہے۔

ہندوستان کی تاریخ اور اس پر ہونے والے حملوں کو اپنی رحمانہ تنقید کا نشانہ بناتا ہے۔وہ بتاتا ہے کہ یہ حملہ ہندوستان کی سیاسی تباہی کا باعث بنا۔نادر کے چالیس ہزار کے لشکر نے چھ لاکھ ہندوستانی فوج کو شکست دی جس میں ہاتھیوں کو یوں سجایا گیا تھا جیسے وہ میلے میں لے جائے جارہے ہوں۔عورتوں کی ایک بڑی تعداد فوج کے ہمراہ تھی۔اس نے دہلی کو خون میں نہلا دیا۔وہ ہندوستانی تاریخ کا تجزیہ کرتے ہوئے اس نکتے پر پہنچتا ہے کہ اس خطے کو اندرونی اور بیرونی دونوں طرح کے خطرات کا سامنا رہا اور حملہ آور کئی روپ بدل کر ان کا امن تاراج کرتے رہے۔ہندوستانی عوام کے ذہنی خلفشار کی تصویر کشی والٹیئر دردمندی سے کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ

''بعض داستانوں اور مورخین کے مطابق دہلی میں ایک فقیر نے نادر شاہ کے گھوڑے کو روک کر نادر شاہ سے کہا

''اگر تم خدا ہو تو ہمیں اپنا شکار سمجھو اور اگر انسان ہو تو ہمیں بطور انسان معاف کرو۔''

جواب میں نادر شاہ نے کہا

''میں خدا نہیں، مگر وہ ہوں جسے اس نے زمین پر موجود قوموں کی تنبیہ کے لیے بھیجا ہے۔''

وہ خزانہ جو نادر شاہ دہلی سے لوٹ کر لے گیا، وہ اس کے لیے بے کار ثابت ہوا کیونکہ جلد ہی اس کے بھتیجے نے اسے قتل کر دیا' اس خزانے کی مالیت موجودہ وقت (جب یہ کتاب لکھی گئی۔۱۷۷۳ء) کے پندرہ سو ملین فرانسیسی رقم کے برابر تھی۔ اس بے تحاشہ دولت کا کیا بنا؟ کچھ حصہ تو بعد میں ہونے والی لوٹ مار میں دوسرے ہاتھوں کو منتقل ہو گیا' باقی خوفزدہ اور لالچی لوگوں نے کہیں زمین کے سوراخ میں چھپا دیا ہو گا۔

ہندوستان اور فارس دنیا کے بدنصیب ترین ملک رہے ہیں۔ انسان کی کوشش ہوتی ہے کہ وہ خود کو ملنے والی نعمتوں کو خوفناک تباہی میں بدل ڈالے۔ نادر شاہ کی فتح نے ہندوستان کو' جبکہ اس کی موت نے فارس کو خون میں نہلا دیا اور طوائف الملوکی کے حوالے کر دیا۔ دونوں واقعات انقلاب کا پیش خیمہ بنے۔''(۱۶)

والتیئر ہندوستان اور اس کے باشندوں کے بارے میں پھیلائے گئے یورپی جھوٹ کا بھی محاسبہ کرتا ہے۔ وہ سخت لہجے میں اس کی قلعی کھولتا اور غیر مہذب یورپ کا مضحکہ اُڑاتا ہے:

''ایک پرتگیزی پادری نے لکھا تھا کہ جب یہاں کا بادشاہ شادی کرتا ہے تو پہلے وہ اپنے جوان ترین مذہبی پیشوا سے درخواست کرتا ہے کہ وہ اس کی بیوی کے ساتھ شب بسر کرے اور یہ کہ یہاں کی تمام عورتیں بشمول ملکہ سات شوہر رکھنے کی مجاز ہوتی ہیں کہ وراثت بیٹوں کو نہیں بلکہ بھتیجوں کو ملتی ہے اور آخر یہ کہ تمام باشندے شیطان کی پوجا کرتے ہیں۔ یہ خرافات بیس مختلف تاریخوں میں رقم ہیں' بیس جغرافیہ کی کتابوں میں حتیٰ کہ La Martiniere میں بھی۔ ایسے تاریخ دانوں پر جو ایسی خرافات لکھتے ہیں اور شرم نہیں محسوس کرتے کہ وہ لوگوں کو دھوکہ دے رہے ہیں' انسان کو سخت غصہ آتا ہے۔''(۱۷)

اس کے ساتھ ساتھ وہ ہندوستانیوں کے طرزِ بود و باش کو مہذب گردانتے ہوئے ان کی زندگیوں کے کئی رُخ سامنے لانے کی کوشش کرتا ہے۔ وہ ہندوستان میں عورت کے تصور کو بھی بڑے ستائشی انداز میں بیان کرتا ہے کہ یہاں کے لوگ عورت کو دیوی کے روپ میں دیکھتے ہیں اور تمام علوم وفنون سے مزّین ہیں۔ وہ ہندوستان میں مکر اور فریب کا جال بچھانے کا ذمہ دار یورپی اقوام کو قرار دیتا ہے جنہوں

نے ان معصوم ذہنوں میں حرص اور لالچ کا بیج بویا۔
ہم یہاں یہ بات دہرانا اپنا فرض سمجھتے ہیں کہ ابتدائی برہمن جنہوں نے بت تراشی' مصوری' پتھروں پہ منظر کشی' حساب اور جیومیٹری ایجاد کی۔ پاکیز گی کے symbol یعنی علامت کے طور پر عورت کو پیش کرتے جسے انہوں نے دس ہاتھ لگائے تا کہ ہوان دس بلاؤں سے لڑ سکے جو دس گناہ ہیں جن سے انسان کا پالا پڑتا ہے۔ یہ وہ تمثیلی مجسمے تھے جن سے جاہل' فریب خوردہ اور فریب دینے والے ملاح دھوکہ کھا گئے اور انہیں شیطان اور بیلزیبب (شیطان کا ساتھی) سمجھ بیٹھے۔ یہ وہ قدیم فارسی نام ہیں جو کہ ہندوستان میں کبھی نہ سنے گئے تھے۔ انسانیت کے ان پہلے استادوں کی اولاد موجودہ برہمن اگر ہمارے ملک کو دیکھنے کی خواہش کریں' ہم جو کہ عرصہ دراز تک غیر مہذب رہے اور دیکھیں کہ کس طرح ہماری حرص ہمیں کھینچ کر ان کے دیس لے گئی' تو وہ ہمارے بارے میں کیا کہیں اور سوچیں گے۔''(۱۸)

ہماری قومی تاریخ کا ایک معروف المیہ' خود اپنے وطن سے غداری ہے۔ یہ بات عام ہے کہ کس طرح میر جعفر نے' سراج الدولہ سے غداری کر کے انگریزوں کو بنگال پر قبضہ جمانے کا موقع فراہم کیا تھا۔لیکن اس بارے میں بہت کم لوگ جانتے ہیں کہ اس نے اپنے وطن کے خلاف جو خفیہ معاہدہ کیا' وہ قرآن پاک پر حلف اٹھا کر کیا گیا تھا۔ والتیئر اسے کٹیلے اور طنزیہ لہجے میں اس طرح بیان کرتا ہے :

''ایک بادشاہت جو قرآن پر حلف اٹھا کر بیچ دی گئی

اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو حاضر ناظر جان کر میں قسم کھاتا ہوں کہ اس معاہدے پر تادم حیات قائم رہوں گا اور اس پر عمل کروں گا' میں جعفر' وغیرہ وغیرہ۔

''انگریزوں کے دشمن میرے دشمن ہوں گے۔
اس نقصان کے ہرجانے کے طور پر جو انہیں (انگریزوں کو) سراج الدولہ سے ہوا ہے' میں انہیں ایک سولاکھ (روپے' سکہ) دوں گا۔'' ہماری کرنسی کے مطابق چوبیس ملین پاؤنڈ۔
''دوسرے باشندوں (کلکتہ کے شہریوں) کے لیے پچاس لاکھ روپے۔'' ہمارے بارہ ملین پاؤنڈ۔
''انگریزی فوج کے ملازم ہندوؤں اور غیر ہندی مسلمانوں کے لیے بیس لاکھ روپے۔'' چار ملین آٹھ لاکھ پاؤنڈ۔
''یہ تمام مل کر چوبیس ملین' چار لاکھ' اسی ہزار پاؤنڈ بنے۔
''میں یہ تمام رقم نقد اور بلا تاخیر ادا کروں گا' جونہی مجھے ان علاقوں کا صوبیدار بنایا گیا۔''
''ایڈمرل' کرنل اور چار دوسرے افسر (جن کے نام وہ دے گا) اس رقم کو جس طرح چاہیں خرچ کر سکتے ہیں۔(یہ شرط اس لیے معاہدے میں شامل کی گئی تا کہ بعد میں ان افراد پر کوئی الزام نہ

آ سکے)''(۱۹)

مختصراً یہ کہ والٹیئر شرمندہ ہے۔ وہ اپنی لاعلمی اور یورپیوں کی مغرب کے خلاف بدمعاشی اور مظالم پر شرمندہ ہے۔ وہ خود اپنی تہذیب پر بھی قدرے شرمندہ ہے، جس کے زوال کی پہلے سے پیش گوئی کرنے کے معاملے میں وہ سب سے زیادہ موزوں تھا۔۔۔۔فلسفی، تشکیک پسند اور ملحد والٹیئر نے ہندوستان کو ایک مایوس یورپی کے طور پر دیکھا ہے۔۔۔۔''(۲۰)

والٹئیر ۱۶۹۴ء میں پیدا ہوا تو سترہویں صدی جو تبدیلی اور انقلاب کی صدی تھی اپنے اختتام کو پہنچ رہی تھی اور ۱۷۷۸ء میں جب اس کا انتقال ہوا تو اٹھارہویں صدی اپنی آخری دہائیوں سے گزر رہی تھی۔ یورپی استعمار کی جنگ میں برطانیہ فاتح اور سرخرو ہو کر ابھرا تھا جب کہ فرانس اور دوسری یورپی طاقتیں پسپائی کے عمل سے گزر کر شکست و ریخت سے دوچار تھیں۔خود والٹئیر کا وطن فرانس اپنی نوآبادیات کھو چکا تھا اور مشرق کے بہت کم حصے پر اس کا قبضہ برقرار رہ سکا تھا۔فیشن اور انقلاب کی اس سرزمین نے کئی تبدیلیاں دیکھی تھیں اور والٹئیر جیسے صاحبِ ضمیر باغی کے لیے یہ سب کچھ دیکھنا آسان نہیں تھا۔

جہاں تک والٹئیر کی ذاتی زندگی کا سوال ہے اس نے ہنگاموں سے بھری ایک ایسی زندگی بسر کی جس میں پہلے پہل وہ محبت کے تحیّر سے گزرا، اس کے بعد دوبار قید و بند کی صعوبتیں، طویل جلاوطنی، وطن واپسی اور موت کے عمل سے گزر کر اس جہانِ فانی سے رخصت ہوا لیکن اس طرح کہ اس کے جسم نے تو موت قبول کر لی لیکن اس کی روح امر ہو گئی۔ وہ اپنی زندگی میں ہی یورپ کا ضمیر بن کر ابھرا۔ جب اس پر موت کی پرچھائیاں پڑنے لگیں تو اپنی لاش کی بے حرمتی کے خدشے کے پیشِ نظر، اس تشکیک پسند اور ملحد فلسفی نے کیتھولک کلیسا کا پیروکار ہونے کا اعلان کیا لیکن آخری لمحوں میں جب پادری نے اس سے پوچھا

''جناب! آپ مسیح کی الوہیت پر ایمان رکھتے ہیں؟''

تو والٹیئر نے جواب دیا

''حضرت! مجھے سکون سے مرنے دیجئے۔''(۲۱)

والٹئیر کی موت ایک نئی زندگی کا آغاز تھی اس کی کتابوں اور افکار نے پورے یورپ میں تہلکہ مچا دیا۔ ان کتابوں میں وہ چھوٹی سی گمنام لیکن اپنے اظہار میں انتہائی طاقتور کتاب بھی تھی جو ایک طویل عرصے تک انگریزی اور اردو دنیا سے پوشیدہ رہی بلکہ اس کتاب کو خود فرانس میں بھی نظر انداز کیا گیا اور ہندوستان کی تاریخ سے دلچسپی رکھنے والے اس کی طرف متوجہ نہ ہو سکے۔ فرانسیسی زبان کی یہ کتاب ہندوستان کے تاریخی ادب کا ایک ایسا شہکار ثابت

ہوئی جس نے معلومات کے کئی نئے در وا کیے۔ یہ کتاب ہنوز پوشیدہ رہتی اگر لاہور میں مقیم فریڈا بیدی نے اسے فرانسیسی سے انگریزی میں ترجمہ کروا کے شائع نہ کروا دیا ہوتا۔ یہ بات بھی دلچسپی کا باعث ہے کہ انگریزی میں اشاعت کے پچھتر سال بعد پاکستان میں اسے دن کی روشنی نصیب ہوئی۔ کتاب کے حاصلِ بحث اور اختتامی کلمات پر بات کرنے سے پہلے مناسب ہوگا اگر اس کے انگریزی ترجمے کا حال بیان کر دیا جائے۔

۱۹۳۴ء میں فریڈا کے شوہر بی پی ایل بیدی[۴] اپنے تھیسس کے سلسلے میں اسے سٹیٹ لائبریری برلن سے جاری کروا کر لائے۔ اس نسخے کے علاوہ فرانسیسی ایڈیشن بھی آسانی سے دستیاب نہیں تھا۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ اس کتاب کے بارے میں کوئی جانتا تک نہیں تھا۔ فریڈا نے اس نایاب کتاب کے ترجمے کا فیصلہ کیا اور ۱۹۳۷ء میں اسے لاہور سے شائع کر دیا۔

کتاب کا موضوع جن اہم نکات کی نشاندہی کرتا ہے ان میں سب سے اہم نکتہ والٹیئر کا خود اپنے ملک پر تنقید کرنا اور ہندوستان پر یورپی قبضے کی مذمت کرنا ہے۔ پوری کتاب میں اس نے ایک طرف ہندوستان میں فرانسیسی اور برطانوی چپقلش کو موضوعِ بحث بنایا ہے تو دوسری طرف وہ یہ کہے بغیر بھی نہیں رہ سکا کہ ہندوستان پر قبضہ کر کے پیرس لندن اور دوسرے بڑے یورپی شہروں کے باسیوں کی میزوں پر اتنے مصالحے مہیا کیے جا سکیں جتنے کبھی شہزادے کی میز بھی میسر نی تھے۔ دوسرا اہم نکتہ کلیسا کے ہندوستان دشمن کردار سے عبارت ہے جو فرانسیسی ریاست کا آلۂ کار بنکر ہندوستان کو غلامی کی زنجیریں پہنانے کے لیے فعال رہا۔ اپنے اختتامی باب ''ہندوستان میں فرانسیسی کمپنی کی تباہی'' میں واضح کرتا ہے کہ اس کمپنی کو جس نے بڑی بڑی امیدوں کو جنم دیا تھا آخر کار دفنا دیا گیا۔ والٹیئر خود انگلش کمپنی کے مستقبل کے بارے میں بھی پر یقین نہیں تھا۔ یہ سوال اپنی جگہ پر اہم رہے گا کہ کیا برطانیہ ہندوستان پر غالب آ جائے گا جس طرح اس نے شمالی امریکہ پر تسلط قائم کیا؟ بقول والٹیئر اہم بات یہ ہے کہ سب کچھ تبدیل ہوتا رہتا ہے جیسا کہ بعد میں ہم نے ہندوستان کی تاریخ میں خود بھی دیکھا اور جنگِ آزادی سے گزر کر آزادی حاصل کی۔

حوالہ جات

۱۔ یوسف حسین خان، ڈاکٹر، فرانسیسی ادب، انجمن ترقی اُردو (ہند) علی گڑھ،۱۹۶۲ء، ص۲۰۱

۲۔ ول ڈیوراں، داستانِ فلسفہ (ترجمہ) سید عابد علی عابد، فکشن ہاؤس، لاہور،۱۹۹۵ء، ص۲۶۴۔۲۶۳

۳۔ ۔۔۔۔۔ایضاً۔۔۔۔۔ص۲۶۴

۴۔ ایلیکس ایرونسن، ڈاکٹر، یورپ لُکس ایٹ انڈیا، ہند کتاب پبلشرز، بمبئی،۱۹۴۶ء، ص۱۶

۵۔ والٹیئر، فریگمنٹس آن انڈیا، (انگریزی ترجمہ) فریڈ ابیدی، لائن پریس لاہور، 1937، ص۱

۶۔ ایلیکس ایرونسن، ڈاکٹر، ص۱۷

۷۔ والٹیئر، ص۳۲

۸۔ ۔۔۔ایضاً۔۔۔ص۳۴

۹۔ ایلیکس ایرونسن، ڈاکٹر، ص۱۷

۱۰۔ والٹیئر، ص۲۰۔۱۹

۱۱۔ ۔۔۔ایضاً۔۔۔، ص۴۴۔۴۳

۱۲۔ ۔۔۔ایضاً۔۔۔، ص۱

۱۳۔ ۔۔۔ایضاً۔۔۔، ص۳۔۲

۱۴۔ ۔۔۔ایضاً۔۔۔، ص۳

۱۵۔ ۔۔۔ایضاً۔۔۔، ص۲۱

۱۶۔ ۔۔۔ایضاً۔۔۔، ص۲۷

۱۷۔ ۔۔۔ایضاً۔۔۔، ص۳۴

۱۸۔ ایضاً

۱۹۔ ۔۔۔ایضاً۔۔۔، ص۴۷

۲۰۔ ایلیکس ایرونسن، ڈاکٹر، ص۲۹۔۲۸

۲۱۔ قاضی جاوید، والٹیئر (یورپی روشن خیالی کا نمائندہ) مشعل، لاہور۲۰۰۱ء، ص۱۰۳

حواشی

۱۔ Ralph Fox,"The Colonial Policy of British Imperialism" ,London Martin Lawrence .limited,London 1933

۲۔ جون زیفانیا ہولویل،(John Zephaniah Holwell) ۷ستمبر ۱۷۱۱ء کولندن میں پیدا ہوا۔وہ ایک سرجن تھا اور اسی حیثیت میں کام کرنے لیے ۱۷۳۲ء میں بھیجا گیا۔ابتدا میں اسے بنگال میں زمیندار کے عہدے پر فائض کیا گیا بعد ازاں یہ عارضی طور پر گورنرِ بنگال کی حیثیت میں بھی کام کرتا رہا۔سراج الدولہ کے خلاف محاذ آرائی میں سرگرم رہا۔اسی دوران سراج الدولہ نے ۱۴۶ فرانسیسی اور انگریز سپاہیوں کلکتہ میں قید کرلیا۔جون کی گرمی اور جگہ کے تنگ ہونے کی وجہ سے ۱۲۳ قیدی ہلاک ہو گئے،جبکہ نواب صاحب کو آرام سے جگانے کی جرات کسی نے نہ کی اور نہ ہی ان کے حکم کے بغیر قید خانے کا دروازہ کھولا گیا۔ان بچ جانے والے قیدیوں میں سے ایک ہولویل بھی تھا جس نے Annual Register 1758 میں اس سانحے کا تفصیلی ذکر اور ہلاک ہونے والوں کے نام بھی درج کیے۔اس نے ۵ نومبر ۱۷۹۸ءکو وفات پائی۔اس کی وفات کے بعد بہت سے مؤرخین نے اس کی معلومات پر کئی اعتراضات بھی اٹھائے۔

۳۔ سانحہ بلیک ہول۔مذکورہ بالا واقعہ ہی سانحہ بلیک ہول کے نام سے جانا گیا،جس میں یورپی قیدیوں کی ایک بڑی تعداد دم گھٹنے سے ہلاک ہوئی۔

۴۔ فریڈا اور بی پی ایل بیدی ماڈل ٹاون لاہور میں مقیم ایک سوشلسٹ جوڑا تھے۔انہوں نے پختہ مکان کی بجائے وہاں کچی مٹی کے ہٹ بنا رکھے تھے۔یہ دلچسپ جوڑا تصنیف و تالیف کے کام اور سماجی و سیاسی ہنگاموں میں مشغول رہتا تھا۔۱۹۴۷ء کے بعد یہ جوڑا ہندوستان منتقل ہو گیا۔فریڈا بعد میں بدھسٹ بن گئی اور ساری زندگی سماجی کاموں میں گزار دی۔ان کا ایک بیٹا کبیر بیدی ہندوستان میں ایک بڑے فلم اداکار کے طور پر ابھرا۔

❀......❀......❀